

## پاکستان کو درپیش تحدیات ومسائل کا حل (اسلامی تعلیمات کی روشنی میں)

## SOLUTION OF PAKISTAN'S PROBLEMS IN LIGHT OF ISLAMIC RULES

FAYYAZ AHMAD FAROOQ<sup>1</sup> AND DR. NOOR UR DIN<sup>2</sup>

<sup>1</sup>PhD Scholar, Department of Islamic Studies, Bahuddin Zikarya University Multan

<sup>2</sup>Professor, Department of Islamic Studies, Bahuddin Zikarya University Multan

ikhlas\_isl@yahoo.com

**Abstract.** *The progress and solidarity of any country depends upon its ideas, its social, economic and defending conditions. If a country is existed on its basic ideology and national perspective then it is safe from internal and external disunity. Running on the pavement of development, there justice is in abundance. There is bond of love and reliability between public and government and there are complete arrangements of material and spiritual needs of its civilians, then government erected upon solid and strong basis. There is no danger for its safety and solidarity and it is running on the pavement of progress and meeting with national cause. Pakistan is now facing a lot of basic problems at one time, in which social, economic and political problems are included. Along with terrorism, extremism, corruption, bribery, black marketing, lack of justice and basic human rights, growth of crimes, null or void politics, sectarianism, favoritism, nepotism, passive or illegal leadership, lack of correction and accountability of rulers and administrative machinery illegal use of authority and freedom of opinion are also included. It is memorable that to estimate the extremity of facing problems to Pakistan approaches of security good governance and economy are applied. But continuous external pressures, weak internal political process, factors affecting norms are ignored that's why unsuitable and wrong results are appeared. A lot of problems not only create due to lack of resources but mostly there main cause is bad governance. Many hardships do not appear nearly due to none practical institutions but constitutional articles are not acted upon because these articles are sources of automatic correction doing mechanisms. These are such problems which are necessary to analyses form every aspect and I shall do my best to analyses according to my abilities.*

**Keywords:** problems of Pakistan, Social problems and its basic concept, Political problems and its basic ideology, Corruption and good governance

### Intoduction

کسی مملکت کی ترقی و استحکام کا دارومدار اس ملک کے نظریہ سے وابستگی، اس کی معاشرتی، معاشی، سیاسی اور دفاعی صورت حال پر ہوتا ہے، اگر وہ مملکت اپنے بنیادی نظریہ اور قومی نصب العین پر قائم ہے، اندرونی اور بیرونی خلفشار سے محفوظ ہے، معاشی ترقی کی راہ پر گامزن ہے، اس میں عدل وانصاف کا دور دورہ ہے، عوام اور حکومت کے درمیان محبت اور اعتماد کا رشتہ قائم ہے اور وہاں کے باشندوں کی مادی اور روحانی ضرورتوں کی تکمیل کا پورا انتظام موجود ہے تو وہ مملکت ٹھوس اور مضبوط

بنیادوں پر قائم ہے، اس کی سالمیت اور استحکام کو کوئی خطرہ نہیں اور وہ اپنے قومی نصب العین سے وابستہ ہو کر ترقی و فلاح کی شاہراہ پر گامزن ہوتی ہے۔

اگر ہم اپنے ملک کے حالات کا اس معیار کی روشنی میں جائزہ لیں تو صورت حال اس کے بالکل برعکس نظر آتی ہے، درحقیقت ہم ملک کے نظریہ اور قومی نصب العین سے الگ ہو کر اقتصادی بدحالی، سیاسی بدنظمی، داخلی و خارجی عدم استحکام اور اخلاقی فساد کا شکار ہو چکے ہیں اور ہم نے ملک کی بنیادوں کو کمزور کر کے اس کی سلامتی کو خطرات سے دوچار کر دیا ہے۔ جگہ جگہ لسانی، نسلی اور علاقائی تعصبات کی گرم بازاری ہے اور اس کی بنیاد پر حقوق کی جنگ برپا ہے اور اس اجتماعی گناہ کے وبال میں ملک پر بدامنی، خونریزی اور افراتفری کا عذاب مسلط ہے، دہشت گردی روز مرہ کا معمول بن چکی ہے اور امن عامہ کی ابتر صورت حال نے پوری قوم کا امن و سکون غارت کر رکھا ہے۔ معاشی بدحالی کی وجہ سے ملک کا بچہ بچہ قرضوں کی وجہ سے زیر بار ہے، لاقانونیت اور سیاسی بدنظمی کی وجہ سے معاشی ترقی کا عمل رک چکا ہے، قوم مختلف گروہوں میں بٹی ہوئی ہے، اتحاد و یکجہتی مفقود ہے جب کہ اسلام دشمن طاقتیں مسلمانوں کے باہمی اختلافات کو نمایاں کرنے اور انہیں باہم لڑانے میں مصروف ہیں، اخلاقی قدروں کے زوال نے معاشرے کی بنیادوں کو کھوکھلا کر کے رکھ دیا ہے۔ بدعنوانی، بددیانتی، رشوت ستانی، ظلم و ناانصافی نے ملک کو تباہی و بربادی کے دہانے پر لاکھڑا کر دیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ خود ہم نے ملک کو اس صورت حال تک پہنچایا ہے اور یہ بربادی خود ہماری غفلتوں اور کوتاہیوں کا نتیجہ ہے اور ہم قرآن حکیم کے الفاظ میں، ”يُخْرَبُونَ بِبُيُوتِهِمْ“ (۱) کا مصداق بنے ہوئے ہیں۔

تاریخ شاہد ہے کہ جب کوئی قوم سرکشی اور بغاوت پر اتر آتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کی ناشکری کر کے اس سے کئے گئے وعدوں کو توڑ دیتی ہے تو اس کا انجام ذلت و ادبار، معاشی اور معاشرتی ابتری کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ قرآن حکیم میں اس حقیقت کو ایک بستی کی مثال کے ذریعے ان الفاظ میں واضح فرمایا ہے۔

”وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُطْمَئِنَّةً يَأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللَّهِ فَأَذَاقَهَا اللَّهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ“ (۲)

”اللہ تعالیٰ ایک ایسی بستی کی مثال بیان فرماتا ہے جو بے خوف مطمئن تھی، اس کی روزی ہر طرف سے بافراغت چلی آرہی تھی پھر اس نے اللہ کی ناشکری کی تو اللہ نے ان کے برے کاموں کے سبب فاقہ اور خوف کا لباس اوڑھا دیا۔“

اس آیت کی روشنی میں اگر ہم اپنے ملک کی ابتر صورت حال کا جائزہ لیں تو یقیناً اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ ہم دراصل مملکت کے نظریہ کو فراموش کر کے اور نعمت آزادی کی ناشکری کر کے اس وقت عذاب الہی کی زد میں آئے ہوئے ہیں۔ ہمیں ہر گز نہی بھولنا چاہیے کہ یہ قطعہ ارضی جہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے لئے ایک گراں قدر عطیہ ہے وہاں پوری قوم کے لئے امتحان بھی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے

”ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ مِنْ مَّ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ“ (۳)

پھر ہم نے تمہیں ان کے بعد زمین کا وارث بنایا تاکہ ہم دیکھیں تمہارا طرز عمل کیا ہے؟

ہمارے خیال میں اس وقت پاکستان کو جن بنیادی مسائل کا سامنا ہے ان کا اصلی اور بنیادی سبب اس نظریہ سے انحراف ہے جس کی بنیاد پر پاکستان معرض وجود میں آیا۔ دیگر اسباب مثلاً سیاسی بدنظمی، اقتصادی بدحالی، افتراق و انتشار دراصل اسی نظریہ سے غفلت کے عواقب و نتائج ہیں۔ پورے عالم اسلام میں یہ امتیاز صرف پاکستان کو حاصل ہے کہ وہ ریاست مدینہ کی طرح محض اسلام کے نام پر وجود میں آیا۔ تمام اسلامی ممالک اپنی جغرافیائی حدود، زبان اور نسل وغیرہ کی بنیاد پر قائم ہوئے۔ ان میں سے کوئی ملک بھی ایسا نہیں جس کی قومیت کا دارومدار صرف اور صرف اسلام ہو۔

پاکستان کو اس وقت ایک ساتھ بہت سے بنیادی مسائل کا سامنا ہے جن میں معاشرتی، معاشی اور سیاسی مسائل کا سامنا ہے اس کے ساتھ ساتھ دہشت گردی، انتہا پسندی، کرپشن، رشوت ستانی، ذخیرہ اندوزی، عدل و انصاف کا فقدان، بنیادی انسانی حقوق کا تحفظ، جرائم میں اضافہ، محاذ آرائی کی سیاست، تفرقہ بازی، اقرباء پروری، جرأت مند قیادت کا انتخاب، انتظامی مشینری کی اصلاح و احتساب، حکمرانوں کا احتساب، بے جا طاقت کا استعمال، مخبری اور جاسوسی کا نظام اور آزادی اظہار رائے کا نا جائز استعمال وغیرہ شامل ہیں۔ یہ بات بھی یاد رہے کہ پاکستان کو درپیش مسائل کی سنگینی کا اندازہ لگانے کے لیے سیکورٹی، گڈگورننس، اور معیشت کی اپروچ استعمال کی جاتی ہے۔ مسلسل بیرونی دباؤ، کمزور اندرونی سیاسی عمل اور ثقافتی معاملات جیسے عوامل کو عام طور پر نظر انداز کر دیا جاتا ہے اس لیے نتائج غیر موزوں اور غلط ہوتے ہیں۔ بہت سے مسائل محض وسائل کی کمی سے جنم نہیں لیتے بلکہ ان کا سبب زیادہ تر بد انتظامی ہوتی ہے۔ بہت سی مشکلات محض آئینی بے عملی کی وجہ سے سامنے نہیں آتیں بلکہ اہم شقوں پر عمل نہیں ہوتا کیونکہ یہ شقیں خود کار اصلاحی میکانزم کی حامل ہیں۔

چنانچہ بنیادی طور پر پاکستان کو معاشرتی، سیاسی اور معاشی مسائل کا سامنا ہے جن کا ذکر ہم ذیل میں کرتے ہیں

#### معاشرتی مسائل:-

کوئی بھی مملکت اس وقت تک ثبات و استحکام حاصل نہیں کر سکتی جب تک اس کا معاشرہ ظلم و ستم، ناانصافی، خود غرضی اور مفاد پرستی، تعصبات، انتشار و افتراق سے پاک نہ ہو، معاشرے کو اگر گھن لگ چکا ہو، بداخلاقی و بے راہ روی عام ہو، امانت و دیانت کا فقدان ہو، اخلاقی جرائم و مفسد معمولات حیات بن چکے ہوں تب نہ تو مملکت مستحکم ہو سکتی ہے اور نہ قوم فلاح و بہبود کے راستے پر گامزن ہو سکتی ہے، اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جو معاشرتی تعلقات و روابط کے صحیح، منصفانہ اور رپائیدار اصول و حدود مقرر کرتا ہے اور ایسی فضا پیدا کرتا ہے جس میں اتحاد و یکجہتی، اخوت و محبت، ہمدردی و ایثار کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔ ملکی حالات کے تناظر میں معاشرتی استحکام درج ذیل بنیادوں کا تقاضا کرتا ہے۔

#### 1۔ اتحاد و یکجہتی کا فروغ

عربوں کی تاریخ گواہ ہے کہ وہ اپنی پوری تاریخ میں ایک چھوٹی سی سلطنت بھی قائم نہ کر سکے تھے، ہمیشہ سے متحارب قبائلی نظام میں منتشر اور مفلوک الحال تھے، اگر وہ آپس میں اپنے اپنے حقوق کی خاطر اسی طرح برسرِ پیکار رہتے تو تباہ و برباد ہو جاتے مگر جب اسلام کو قبول کر کے اپنے صدیوں پرانے تنازعات بھلا دیئے، جاہلی تعصبات ختم کر دیئے تو ان کو وہ عروج حاصل ہوا کہ دنیا حیران رہ گئی اور چند ہی سالوں میں اس دور کی سپر پاورز روم اور فارس کو اسلامی اقتدار کے زیرِ نگیں لے آئے۔ یہ کامیابیاں دراصل تاریخ، حالات اور اسباب کا منطقی نتیجہ نہ تھیں بلکہ یہ اس اخوت اور اتحاد کا ثمرہ تھا جو حضور ﷺ کے

صدقے انہیں عطا ہوا۔ خود مملکت پاکستان کا قیام بھی اتحاد و اتفاق کی بدولت معرض وجود میں آیا اور اس کا استحکام بھی اسی جذبے کا مرہون منت ہے۔

اس وقت اتحاد و یکجہتی کے راستے میں دو بڑی رکاوٹیں حائل ہیں جن میں سے ایک قومیت پرستی اور دوسری مذہبی تفرقہ بازی ہے۔

۱۔ قومیت پرستی:

خاندان، قوم، قبیلے اور علاقے کی محبت جب تعصب کی شکل اختیار کر لے تو وہ ملک اور معاشرے کے لئے سخت مہلک ثابت ہوتی ہے۔ یہ اندھی محبت افراد قوم میں حق و انصاف کے سوال کو نظر انداز کر کے ہر حال میں اپنی قوم کی حمایت پر آمادہ کرتی ہے۔ قرآن حکیم میں اسے ”حمیۃ الجاہلیۃ“ کا نام دیا گیا ہے۔ یہود و منافقین کی سازش کے نتیجہ میں ایسی ہی صورت حال ایک موقع پر عہد نبوی میں پیش آئی جب ایک مہاجر اور انصاری کے درمیان کسی مسئلہ پر تکرار ہوئی اور انہوں نے ”یامعشر الانصار“ اور ”یا معشر المهاجرین“ کہہ کر اپنے ساتھیوں کو پکارا تو آپ ﷺ نے بڑی سختی کے ساتھ یہ کہہ کر اس فتنہ کو کچل دیا۔ ”مباہل دعویٰ اہل الجاہلیۃ“ (۴) یہ کیا جاہلیت کی پکار ہے؟ آپ نے قوم کے ظلم کی تائید و حمایت کو ”عصبیت“ سے تعبیر کیا۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لیس منامن دعا الی عصبیتو لیس منامن قاتل علی عصبیتو لیس منامن مات علی عصبیت (۵)۔

”جس نے عصبیت کی دعوت دی وہ ہم میں سے نہیں اور جس نے عصبیت پر لڑائی کی وہ ہم میں سے نہیں اور جو عصبیت پر مرا وہ ہم میں سے نہیں۔“

قومیت پرستی کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی عصبیت مسلمانوں کے اجتماعی وجود کے لئے ہمیشہ مہلک ثابت ہوئی، خلافت عثمانیہ اور مشرقی پاکستان کا سقوط انہی تعصبات کا نتیجہ ہے۔ اس سے انکار نہیں کہ بعض طبقوں اور جماعتوں کے حقوق کو نظر انداز کرنے اور ناانصافی کی وجہ سے ان میں مظلومیت کا احساس ابھرتا ہے اور قومی و علاقائی عصبیتوں کو تقویت ملتی ہے، مگر اس کی بنیاد پر علیحدگی کے مطالبے اور منصوبے بنانا، منافرت کی آگ کو بھڑکانا اور بے گناہوں کی جان و مال و آبرو پر حملہ کرنے کا کوئی جواز نہیں۔ اس سلسلے میں جہاں ارباب اختیار کو ان کی معقول شکایات اور مسائل کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے وہاں ان کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ ایثار و مروت، مفاہمت اور رواداری کا مظاہرہ کریں اور شکایات و اختلافات کو مل بیٹھ کر طے کریں۔ ابھی حال ہی میں انتخابات 2013 میں پاکستان کی تمام قوم پرست جماعتیں اکٹھی ہوئی اور پاکستان کو بنیادی مسائل سے نکالنے کے لیے یک آواز ہو کر اس بات کا پختہ ارادہ کیا کہ ہم انفرادیت کی بجائے اجتماعی طور پر ملک کو درپیش مسائل، چیلنجز اور خطرات سے نکالیں گے ان میں ہزارہ کمیونٹی ہو یا پختون اور بلوچ ہوں سب سیسہ پلائی دیوار کے طور پر ان انتخابات کے بعد سامنے آئے۔

ارشاد ربانی ہے: اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِیْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ صَفًا کَانَہُمْ بُنِیَانًا مَّرْصُوعًا (۶)

”بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اس کے راستے میں ایسے جم کر لڑتے ہیں جیسے سیسہ پلائی ہوئی ٹھوس دیواریں ہوں۔“

آپ ﷺ نے انتشار و افتراق پیدا کرنے والوں کو قتل تک کرنے کا حکم دیا ہے۔ اِرشاد نبوی ﷺ ہے: ” عَنْ رِفَہِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ يَقُولُ أَنَّهُ سَتَكُونُ هَنَاتُ وَهَنَاتُ فَمَنْ ارَادَ أَنْ يَفْرُقَ أَمْرَهُ هَذِهِ الْأُمَّةَ وَهِيَ جَمِيعٌ فَاضْرِبُوهُ بِالسَّيْفِ كَأَنَّا مَا كَانَ ” (۷)

عُرفجہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے تھے فتنے اور فساد قریب ہیں جو کوئی اس امت کے اتفاق کو بگاڑنا چاہیے اسے تلوار سے مارو وہ چاہیے جو بھی ہو۔

گویا یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپس کے اختلافات بھلا کر آپس میں اتفاق پیدا کر لو اگر ایسا ہوا تو پھر دنیا کی کوئی طاقت آپ کو اپنے مقاصد سے دور نہیں کر سکتی اور نہ آپ پر ظلم و ستم کر سکتی ہے بلکہ جس طرح تاریخ میں ملت اسلامیہ کی روشن مثالیں موجود ہیں اسی طرح اگر ہم آپس میں اتحاد و اتفاق اور محبت و اخوت کا رشتہ استوار کر لیں اور ایمانی جذبہ ساتھ ہو تو ہم دنیا کے لیے مشکل راہ ہو سکتے ہیں۔

## ۲۔ مذہبی تفرقہ بازی:

دوسری چیز جس سے پاکستان کی سلامتی کو خطرہ درپیش ہے وہ مذہبی فرقہ واریت ہے اور امت آج اسی صورت حال سے دوچار ہے جو دور جاہلیت میں تھی کہ اس وقت ہر مذہبی گروہ اپنے آپ کو حق کا علمبردار اور مخالف گروہ کو حق سے منحرف خیال کرتا تھا۔ اور لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّينِ سَبِيلٌ (۸) کہہ کر فریق مخالف مذہبی گروہوں اور جماعتوں نے اپنے آپ کو حق کا اجارہ دار سمجھ کر مذہب کی حقیقی روح کو فراموش کر کے اپنی تمام تر مساعی اپنے مخصوص نظریات اور فروعی مسلک کی ترویج اور اشاعت میں لگا رکھی تھیں اور اس سلسلے میں سب و شتم، طعن و تشنیع، طنز و تعریض اور لڑائی جھگڑوں تک سے گریز نہیں کرتیں اور یہ بھلا بیٹھی تھیں کہ ان کا یہ رویہ پیغمبرانہ طرز عمل اور قرآن حکیم کی واضح ہدایات کے سرار خلاف ہے۔ قرآن حکیم آنحضرت ﷺ کی نرمی اور لطافت کی تعریف کرتے ہوئے بتاتا ہے وَلَوْ كُنْتَ فَظًا غَلِظَ الْقَلْبُ لَأَنْفَضْتُوَا مِنْ حَوْلِكَ (۹) کہ اگر آپ سخت دل اور تند خو ہوتے تو لوگ آپ کے قریب بھی نہ پھٹکتے بھاگ جاتے۔ اس صورت حال نے مسلمانوں کو تقسیم کر کے ان کی توانائیوں کو لڑائی جھگڑوں اور فسادات کی نذر کر دیا ہے اور دشمنان اسلام تو چاہتے ہی یہ ہیں کہ مسلمانوں کی ذہنی اور علمی توانائیاں کفر و الحاد کا مقابلہ کرنے اور ملک و ملت کے حقیقی مسائل کو حل کرنے کے بجائے مسلکی اور فروعی مسائل پر جھگڑنے میں صرف ہو جائیں اور وہ ان جھگڑوں کی آڑ میں دہشت گردی اور تخریب کاری میں مشغول ہیں۔ اس لئے مذہبی جماعتوں کا اپنے دائرہ میں رہتے ہوئے مشترکہ اصولوں کی بنیاد پر اتحاد وقت کا اہم تقاضا ہے۔

اسلام دشمن طاقتیں آج مسلمانوں میں نسلی، لسانی اور گروہی امتیازات اجاگر کر کے، نظریاتی اختلافات کو ہوا دے کر اور فرقہ وارانہ اختلافات کو بڑھا کر ہماری صفوں میں انتشار پیدا کرنے کے لئے اپنی ساری توانائیاں صرف کر رہی ہیں۔ ہم آج امت واحدہ کا مظاہر کر کے ہی دشمنان اسلام کا مقابلہ کر سکتے ہیں اور اپنی بقاء و ارتقاء کی منازل طے کر سکتے ہیں۔

## 2۔ قیام عدل:

قیام عدل سے مراد معاشرہ میں ایسا متوازن اور عادلانہ نظام قائم کرنا ہے جس میں ہر فرد، جماعت اور طبقے کے حقوق محفوظ ہوں، اور ظلم و ناانصافی کے سدباب کا موثر انتظام ہو۔ جس معاشرہ میں ظلم و ناانصافی عام ہو، عوام کے حقوق محفوظ نہ ہوں، ان کی جان، مال اور عزت و آبرو کا تحفظ نہ ہو وہ جلد تباہی و

بربادی کا شکار ہوجاتا ہے کیونکہ اس سے باہمی عداوتیں اور نفرتیں بڑھتی ہیں اور فتنہ و فساد کے دروازے کھلتے ہیں۔

اب ضرورت اس امر کی ہے کہ معاشرے سے افراط و تفریط کے خاتمے کے لیے عدل و انصاف کی بنیادی روح کو اجاگر کیا جائے جس میں بنیادی انسانی حقوق کا تحفظ بھی شامل ہو۔ اس لیبیقام عدل وامن درج ذیل اقدامات کا متقاضی ہے۔

## ۱۔ کمزور طبقوں کے حقوق کا تحفظ:

عدل کا تقاضا ہے کہ معاشرے کے کمزور افراد کو ظلم و استحصال سے بچایا جائے اور ان کے حقوق کا تحفظ کیا جائے۔ آج ملک کا بیشتر غریب طبقہ وڈیروں، چودھریوں اور سرکاری افسران کے رحم و کرم پر ہے اور ان کی جان و مال گروی اور عصمتیں غیر محفوظ ہیں۔ اس اندھیر نگری اور ظلم کے خلاف پوری قوم کو متحدہ ہونا چاہیے اور ظالموں کے خلاف متحدہ محاذ بنانا چاہیے، جب تک مظلوم کو مکمل انصاف اور اس کا حق نہ مل جائے۔

یہ تصور دور جاہلیت میں بھی موجود تھا، بعض شرفاء عرب نے حلف الفضول کے نام سے ایک معاہدہ کیا تھا جس کا مقصد ظلم و تعدی اور لوٹ کھسوٹ کو روکنا تھا۔ زبیر بن عبدالمطلب نے اپنے بعض اشعار میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

ان الفضول تحالفوا وتعاقدوا      ان لایقیم ببطن مکہ ظالم

أمر علیہ تعاهدوا وتوثقوا      فالجار والمعتر فیہم سالم (۱۰)

“فضیل نامی افراد نے باہم معاہدہ کیا اور عہد باندھا اور اقرار کیا پس مکہ میں پڑوسی اور ضرورت سے آنے والا سب محفوظ ہیں۔”

اس معاہدے کے متعلق حضور اکرم ﷺ کے یہ الفاظ کتب سیرت میں منقول ہیں۔

“لقد شهدت فی دار عبدالله بن جدعان حلفا لو دعیت بہ فی الاسلام لاجبت تحالفوا ان یردوا الفضول علی اہلہا وان لا یعز ظالم مظلوما” (۱۱)

“میں عبد اللہ بن جدعان کے گھر میں ہونے والے معاہدہ میں شریک تھا اگر اسلام کے بعد بھی مجھے اس میں بلایا جاتا تو میں ضرور اس میں شریک ہوتا، انہوں نے اس بات کا عہد کیا تھا کہ وہ حقدار تک اس کا حق پہنچائیں گے اور یہ کہ کوئی ظالم مظلوم پر غالب نہ آسکے گا۔”

چنانچہ ہمیں تاریخ اسلام میں بھی عدل و انصاف کے بنیادی اداروں میں ایک ادارہ مظالم کے نام سے ملتا ہے جس کا بنیادی سبب بھی یہی تھا کہ ظالم کو ظلم سے روکا جائے اگر وہ کسی پر ظلم کرے تو پھر اس کا تصفیہ بھی کیا جائے۔ اس لیے اب بھی ظلم کے دفعیہ کے لئے نہ صرف حکومتی سطح پر اقدامات کی ضرورت ہے بلکہ اس بحث سے ہمیں سماجی تنظیموں اور مصالحتی انجمنوں کے قیام کا بھی ثبوت ملتا ہے جو ذاتی اثرو رسوخ استعمال کر کے ظلم کے استیصال میں اپنا کردار ادا کریں۔

## ۲۔ اقرباء پروری کا خاتمہ:

ظلم و ناانصافی کی ایک صورت اختیارات کے ناجائز استعمال کے ذریعے اپنے اقارب کے ساتھ ترجیحی سلوک کرنا اور انہیں بے جا مراعات سے نوازنا ہے۔ اسلام اسے عدل و مساوات کے منافی سمجھتے ہوئے سختی کے ساتھ اس سے منع کرتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے صاحبزادے ایک بار مصر گئے تو وہاں کے گورنر حضرت عمرو بن العاصؓ کو حضرت عمرؓ نے خط لکھا کہ ”خبر دار! میرے خاندان کا کوئی آدمی اگر تمہارے پاس آئے تو نہ اسے تحفہ دینا نہ سوغات، نہ اس کے ساتھ خصوصی اور امتیازی برتاؤ رکھنا“ (۲۱)

بعض اوقات رشتہ داری یا تعلقات کی بنیاد پر مستحق کو محروم کر کے غیر مستحق کو نوازا جاتا ہے۔ کتنا بڑا المیہ ہے کہ ملک کے اہم انتظامی عہدوں پر جو جماعت بھی برسر اقتدار آتی ہے مستحق لوگوں کو نظر انداز کر کے بغیر کسی اہلیت کے اپنے لوگوں کا محض ذاتی تعلقات یا جماعتی وفاداریوں کا لحاظ کر کے تقرر کرتی ہے، اس سے نفرت و تعصبات کو جگہ ملتی ہے، احساس محرومی بڑھتا ہے اور انتقامی جذبات فروغ پاتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

”جو کوئی مسلمانوں کا حاکم مقرر ہو اور وہ کسی کو اہلیت اور استحقاق کے بغیر (دوستی اور تعلق کی بنیاد پر) کسی عہدے پر فائز کرے، اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ اللہ تعالیٰ اس کا کوئی عذر قبول نہ کرے گا حتیٰ کہ اسے جہنم میں داخل کر دے گا۔“ (۳۱)

چنانچہ حاکم کے لیے اہلیت کا جو معیار اسلام نے مقرر کیا ہے اس کو سامنے رکھتے ہوئے حاکم کا تقرر ہونا چاہیے اور پھر استحقاقات کو بھی سامنے رکھنا چاہیے تاکہ اس کو اپنے اختیارات کو استعمال کرنے اور نظم و نسق کو کنٹرول کرنے میں کسی دشواری کا سامنا نہ ہو اور اگر وہ اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کرے، اختیارات میں کوتاہی کرے یا کسی مالی بد عنوانی میں ملوث پایا جائے تو پھر اس کے لیے جو جوابی اور احتساب کا تصور ہے اس کے لیے بھی اس کو ہمہ وقت تیار رہنا چاہیے۔

۳۔ انتظامیہ کی اصلاح و احتساب:

معاشرے میں ظلم و استحصال کا ایک بڑا سبب انتظامی ڈھانچے کی خرابی ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ انتظامی عہدوں پر خدا ترس، باصلاحیت، پاکیزہ کردار کے حامل، بے غرض اور ملک اور عوام کے خیر خواہ افراد کا تقرر عمل میں لایا جائے، جو ہر قسم کے لالچ اور دباؤ سے بے نیاز ہو کر اپنی خدمات سرانجام دے سکیں۔ آنحضرت ﷺ ایسے لوگوں کو حکومتی مناصب عطا نہیں فرماتے تھے جو جاہ و منصب اور اقتدار و حکومت کے حریص ہوتے تھے۔ فرمایا:

انا لا نولی هذا من سألہ ولا من حرص علیہ (۴۱)

”ہم ایسے شخص کو یہ ذمہ داری نہیں سونپتے اور نہ اسے دیتے ہیں جو اس کا حریص ہو۔“

اس لئے انتظامی عہدوں پر تقرر ایک تو اہلیت و استحقاق کی بنیاد پر ہونا چاہیے، نہ کہ تعلقات یا سفارش کے ذریعہ اور دوسری طرف ان کی کڑی نگرانی اور سخت احتساب کے ذریعے فرائض میں غفلت، رشوت ستانی، بددیانتی، کام چوری اور اختیارات کے غلط استعمال کا راستہ روکا جائے۔ حضور ﷺ اپنے عمال و حکام کا سخت محاسبہ فرماتے تھے اور اگر کسی کے طرز عمل پر رشوت کا شائبہ ہوتا تو فوراً اس کی اصلاح فرماتے تھے۔۔

ہمارے ملک میں انتظامی مشینری کے متعلق بدعنوانی، رشوت اور کمیشن کی وصولی کی شکایات عام ہیں اور یہ معاملہ کوئی ڈھکا چھپا نہیں، جس سے بین الاقوامی سطح پر ہماری ساکھ بھی متاثر ہو چکی ہے۔ ان شکایات کے ازالہ کے لئے کرپٹ عناصر کے خلاف چاہے وہ انتظامیہ میں ہوں، سیاست میں ہوں یا حکومت میں ایسے جہاد کی ضرورت ہے جیسا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مانعین زکوٰۃ کے خلاف کیا تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت کہ یہ پوری قوم کے ڈاکو اور لٹیرے ہیں۔ اس سلسلے میں کسی قسم کی مصلحت آمیزی سے گریز کیا جائے کیونکہ ان کو بے لگام چھوڑنے سے ملکی سلامتی خطرات سے دوچار ہو رہی ہے۔ حضرت عمرؓ جب کسی کو عامل یا گورنر بناتے تو اس کے مال و اسباب کی فہرست لے کر رکھ دیتے تھے اور جو اضافہ اس میں ہوتا اسے بیت المال میں داخل کرا دیتے تھے (۵۱)۔ اس سے سرکاری افسران، اراکین اسمبلی اور وزراء وغیرہ کے تقرر کے موقع پر اثاثہ جات کی فہرستیں طلب کرنا اور ان کے معیار زندگی پر مستقل نظر رکھنے کا ثبوت بھی ہمیں ملتا ہے۔ اور اس کی ایک اہم مثال ہمیں پاکستان میں ۲۰۱۰ء کے انتخابات کے لیے امیدواران سے جو بنیادی معلومات مانگی گئی ہیں اس سے بھی ان حکام کی اصلیت بارے پتہ چل سکتا ہے اور کرپشن اور لوٹ مار کی جو فضاء تھی اس میں کافی حد تک کمی آسکتی ہے۔

#### ۴۔ لاقانونیت اور امن وامان کی ابتر صورت حال:

ملک میں لاقانونیت اپنی انتہا کو پہنچ گئی ہے کسی جگہ بھی عام شہریوں کو جان، مال اور آبرو کی حفاظت حاصل نہیں۔ قتل و غارت کا بازار گرم ہے، دہشت گردی کے واقعات کو روکنے میں حکومت اور اس کی ایجنسیاں بالکل ناکام رہی ہیں۔ کراچی جیسے شہر میں گذشتہ ایک سال میں ۲ ہزار سے زیادہ افراد کو نشانہ بنا کر موت کے گھاٹ اتارا گیا ہے۔

کراچی میں ٹارگٹ کلنگ، بہتہ خوری، ٹارچرسیلوں، اور بوری بندلاشوں کے معاملات پر سپریم کورٹ کے از خود نوٹس کے بعد عوام کو توقع تھی کہ کراچی میں امن عامہ کے مسائل پر سپریم کورٹ کوئی واضح، دوٹوک، پائیدار، حقیقی اور مستقل حل پیش کرے گی۔ لیکن بدقسمی سے سپریم کورٹ نے مسائل کی نشان دہی کرنے کے بعد حل کی ذمہ داری انہی حکمرانوں پر ڈال دی جن کی وجہ سے مسائل پیدا ہوئے ہیں اور جن کو خود سپریم کورٹ نے ناکام قرار دیا ہے۔ چنانچہ اب نگران کابینہ اور اس کے بعد نئی حکومت سے اس معاملے میں کافی امیدیں وابستہ کی جا رہی ہیں۔

#### ۵۔ عدالتی معاملات میں عدل:

عدل کا دائرہ اگرچہ کافی وسیع ہے تاہم اس کی زیادہ ضرورت عدالتی معاملات میں ہوتی ہے اور اسلام اس سلسلے میں تفصیلی ہدایات دیتا ہے، وہ تمام انسانوں کے درمیان بلا تخصیص و امتیاز نسل و رنگ و مذہب عدل کا حکم دیتا ہے، اس کا دائرہ صرف مسلمانوں تک محدود نہیں۔ ارشاد ربانی ہے

وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ (۱۶)

اس آیت میں عدل کی ہدایت بین المسلمین کے الفاظ میں نہیں بین الناس کے الفاظ میں کی گئی ہے۔ اسلام میں ذاتی، خاندانی، قبائلی اور علاقائی مفادات سے بالاتر ہو کر مکمل غیر جانبداری کے ساتھ عدل و انصاف قائم کرنے کی ہدایت کی گئی ہے وہ ایسی آزاد اور خود مختار عدلیہ کا قائل ہے جس کے وقار اور بالادستی پر کوئی حرف نہ آسکے۔ اس کے فیصلے ہر قسم کے دباؤ اور مداخلت سے پاک ہوں اور ان کے نفاذ و اجراء میں کسی قسم کی رکاوٹ حائل نہ ہو۔ اسلامی مملکت میں عدالت سربراہ حکومت کو بھی مدعا علیہ یا ملزم کی



حیثیت سے جوابدہی کے لئے طلب کرسکتی ہے اور اس کے خلاف فیصلہ بھی صادر کرسکتی ہے، اسلامی تاریخ میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔

عدل و انصاف کی اہمیت کے پیش نظر آنحضرت ﷺ نے ریاست مدینہ میں کئی اقدامات فرمائے۔ غیر مسلموں کو بھی آپ کے فیصلوں پر مکمل اعتماد ہوتا تھا۔ آپ نے ان الفاظ کے ساتھ عدل و انصاف کے معاملہ میں حائل بدعنوانیوں کا خاتمہ کیا۔

”والذی نفس محمد ﷺ ببیدہ، لو ان فاطمۃ بنت محمد ﷺ سرقت لقطعت یدھا“ (۱۷)

”اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے، اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کر لے تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹوں گا۔“

اس سے ثابت ہوا کہ جب نبی کی اولاد سے بھی حد ساقط نہیں ہوسکتی تو عام حکمران، ان کی اولاد اور خویش و اقارب کیسے سزا سے مستثنیٰ ہوسکتے ہیں۔ چنانچہ اسلامی تعلیمات کی رو سے تو کوئی بھی حاکم کسی بھی استثناء سے مستثنیٰ نہیں ہے مگر عالمی ریاستی قوانین میں اور پاکستان کے آئین میں بھی یہ شق موجود ہے کہ سربراہ ریاست کو کچھ معاملات میں استثناء حاصل ہے۔ مگر یہاں پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کسی بھی حاکم سے جب عوام الناس کی طرف سے شکایت کی جائے اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس حاکم کی اہلیت پر سوالیہ نشان لگ گیا اور حاکم کے لیے جو صادق اور امین کا تصور ہے وہ اب ختم ہو گیا اس لیے جب کسی حاکم پر مالی بد عنوانی کا الزام لگ جائے یا کسی جرم کی زد میں آجائے تو پھر حاکم کو چاہیے کہ وہ اپنے اور لگنے والے الزامات کا دفاع کرے مگر اس دوران اس عہدے کی بنیاد پر عوام الناس اور اس میں تھوڑا فرق ضرور کیا جائے یا دوسرے لفظوں میں اس کے عہدے کی بنیاد پر اس کا خیال رکھا جائے۔

دیگر اداروں کی طرح ہمارے ہاں عدلیہ کا ادارہ بھی زوال کا شکار ہے۔ عدالتی طریقہ کار اس قدر پیچیدہ، مشکل اور مہنگا ہے کہ اس پر عربی کی یہ کہاوٹ بالکل صادق آتی ہے کہ ”عدالتوں سے انصاف حاصل کرنے کے لئے عمر نوح اور صبر ایوب کی ضرورت ہے“۔ حالانکہ ایک اسلامی ریاست میں عدالتی طریق کار آسان اور انصاف کا حصول مفت ہونا چاہیئے اور اس کے لئے جہاں موجودہ قوانین کو اسلامی تعلیمات کے سانچے میں ڈھالنے کی ضرورت ہے وہاں ججوں کے انتخاب میں بھی اہلیت، دیانت، فرض شناسی اور تقویٰ جیسے صفات کو معیار بنانا ہوگا تاکہ رشوت اور سفارش جیسے بدعنوانیوں کا سدباب کیا جاسکے جو انصاف کے راستے میں حائل ہیں۔

۲۔ - سیاسی مسائل

قومی فلاح و بہبود، ملی اتحاد و یکجہتی اور ملکی استحکام و سالمیت کے لئے سیاسی ہم آہنگی کا قیام وقت کا اہم تقاضا ہے کیونکہ سیاسی قیادت کی نااہلی اور محاذ آرائی پر مبنی سیاست جہاں قومی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہوئی ہے وہاں ملکی سالمیت کے لئے بھی خطرے کا باعث ہے۔ اس سیاسی ابتری کے خاتمہ کے لیے آنحضرت ﷺ کی سیرت طیبہ ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔ آپ نے ایسے دور میں جب کہ حکومتوں کی بنیاد، آمریت اور مطلق العنانی پر قائم تھی اور بالخصوص عرب کا معاشرہ جو تنظیم، سیاسی وحدت، ضابطے اور قوانین سے بالکل نا آشنا تھا ایک عظیم انقلاب کے ذریعہ ہمہ گیر ریاست قائم فرما کر سیاسی ابتری اور انتشار کا خاتمہ فرمایا۔ آپ نے دین پر مبنی سیاست متعارف کروائی جس کی بنیاد عدل و انصاف پر تھی اور ”وَسَاوَرُھُمْ فِی الْأَمْرِ“ (۱۸) کی ہدایت کے تحت اہم ملکی معاملات میں مشورہ کی سنت جاری فرمائی اور

خلافت و حکومت کے لئے مشورہ ضروری قرار دیا۔ آپ چاہتے تو کسی کو اپنا جانشین نامزد فرما سکتے تھے اور کسی کو اس سے اختلاف کی گنجائش نہ ہوتی مگر آپ نے یہ ذمہ داری امت پر چھوڑی کہ وہ باہمی مشورے سے خود اپنا سربراہ منتخب کریں۔

آنحضرت ﷺ کی طرف سے منعقدہ مشاورتی مجالس میں صحابہ کرام آپ سے اختلاف رائے بھی کرتے تھے مگر جب اس سلسلے میں وحی نازل ہوتی تھی تو اپنی اختلافی رائے سے دستبردار ہوجاتے تھے۔ آپ نے حکمرانوں کو ”خادم“ اور ”راعی“ کہہ کر رعایا کے حقوق کے تحفظ کی ذمہ داری ان پر ڈالی اور دوسری طرف حکمرانوں کی اطاعت اور احترام کی ہدایات کر کے حکومت اور عوام کے درمیان حائل خلیج کو ختم فرمایا۔ سیرت طیبہ اور تعلیمات نبوی کی روشنی میں ملکی سیاسی استحکام کے لئے درج ذیل امور قابل توجہ ہیں۔

#### ۱۔ اہل، صالح اور جرأت مند قیادت کا انتخاب:

کوئی بھی ملک اور قوم سیاسی، معاشی اور معاشرتی اعتبار سے مستحکم نہیں ہوسکتی جو مخلص اور جرأت مند قیادت سے محروم ہو۔ ملک کی قیادت جس قدر مخلص، راستباز، دیانتدار اور قابل افراد کے ہاتھوں میں ہوگی اسی قدر ملک و قوم اور معاشرے کے لئے فمید ثابت ہوگی۔ اسلام اپنے ماننے والوں کو ایسی قیادت منتخب کرنے کی ہدایت کرتا ہے جو مومن صالح، قابل اور جرأت مند ہو۔ جو عوام کے مسائل کا ادراک رکھتی ہو، جھوٹ، دغا بازی، منافقت اور وعدہ خلافی پر مبنی سیاست سے پاک ہو، دولت، اقتدار، جاہ و منصب کی حرص اور طمع سے بے نیاز اور خدمت خلق کے جذبہ سے سرشار ہوکر میدان عمل میں اتری ہو۔ ہمارے ہاں صورت حال اس کے برعکس ہے، سیاستدانوں کی اکثریت دولت اور خاندانی اثر و رسوخ کی بناء پر اقتدار پر قابض ہوتی ہے اور ملک و قوم کی خدمت کے بجائے اپنی تمام تر صلاحیت و قابلیت کو دولت و شہرت کے حصول اور اپنے اقتدار کو مستحکم کرنے میں صرف کرتی ہے۔ فرائض سے غفلت، قانون شکنی، کرپشن، اختیارات کا ناجائز استعمال، اقرباء پروری اور جماعتی وابستگیوں کی بناء پر نوازشات کا سلسلہ موجودہ سیاسی کلچر کا حصہ بن چکا ہے، ایسی نااہل قیادت اپنے بد اعمالیوں کے صلہ میں اپنے ساتھ ملک اور قوم کو بھی لے ڈوبتی ہے۔

مسلم ممالک میں بالخصوص ہمارے ہاں سیاسی عدم استحکام کے پس پردہ مغرب کی سازشیں کارفرما ہیں وہ ان ممالک میں ایسی سیاسی قیادت کی حمایت کرتا ہے جو عوام کے مسائل کا شعور رکھنے اور ان کو حل کرنے کی قابلیت نہیں رکھتی، قابل اور لائق قیادت اور اس کے زیر اثر ملکی استحکام اور ترقی کو وہ اپنی بالادستی کے لئے خطرہ سمجھتا ہے، اس لئے وہ نااہل حکمرانوں کی حمایت اور پشت پناہی کر کے انہیں اپنے مقاصد کے لئے آلہ کار کے طور پر استعمال کرتا ہے اور ان کے ذریعہ ملک میں اپنی پالیسیوں کا اجراء کرتا ہے۔

اسلامی سیاست میں حکمرانوں کی شرائط انتخاب میں ایک اہم شرط حریت و آزادی ذکر کی ہے اس لیے کہ حاکمیت، محکومیت اور غلامی کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی، ضروری ہے کہ حکمران اپنے دین اور ملک کے معاملات میں اصول شریعت کے مطابق رائے اور فیصلوں میں آزاد ہوں لہذا ایسا شخص ہر گز حکمرانی کے قابل نہ ہوگا جو اپنی رائے، نظریات یا فیصلوں میں غیروں کا غلام اور تابع ہو، جب جسم کی غلامی اور محکومی امارت و خلافت سے نامع ہے تو ذہن و فکر کی غلامی کے ساتھ بھی خلافت و امارت جمع نہیں ہوسکتی۔ اس لئے اگر کوئی حکمران ایسی روش اختیار کرتا ہے تو اس کا معزول کرنا واجب ہوتا ہے۔

الغرض آنحضرت ﷺ کے عطا کردہ جمہوری اور شورائی نظام حکومت کو عصری تقاضوں کے مطابق رائج کر کے ایسی اہل اور مخلص قیادت کو سامنے لایا جاسکتا ہے جو ملک و ملت کے لئے مفید ثابت ہوسکتی ہے۔

۲۔ محاذ آرائی کی سیاست سے اجتناب:

ایک اسلامی ریاست میں سیاسی نقطہ نظر کے اختلاف کی بناء پر سیاسی جماعتوں کی گنجائش موجود ہے جب وہ شریعت کی حدود میں عوام کی فلاح و بہبود، ان کے حقوق و مفادات کے تحفظ اور ملکی استحکام و ترقی پر مبنی منشور رکھتی ہوں اور ان کی جدوجہد اسلامی نظام حکومت کے قیام میں ممدومعاون ہو لیکن ان کا وجود اگر ذاتی مفادات اور حصول اقتدار کی خاطر ہو تو اسلام اس طرح کی بے ثمر و بے مقصد گروہ بندی کی سخت مخالفت کرتا ہے، کیونکہ اس کا نتیجہ سوائے انتشار، محاذ آرائی اور باہمی تعصب و مخاصمت کے کچھ نہیں نکلتا۔ اس قسم کی جماعتیں اقتدار سے محروم ہونے کی صورت میں اقتدار کو ہر صورت میں حاصل کرنے اور جذبہ انتقام سرد کرنے کے لئے بے جا تنقید و مخالفت، احتجاج، ہڑتالوں اور مظاہروں کے ذریعہ افراتفری اور انتشار پیدا کرتی ہیں اور ملکی سلامتی کو بھی داؤ پر لگادیتی ہیں۔ یہ طریق کار آنحضرت ﷺ کی ہدایات کے سراسر خلاف ہے۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

“لاتسبواالولاء فانہم ان احسنوا کان لہم لأجر و علیکم الشکروان اسأؤ افعلیہم الوزرو علیکم الصبر۔” (۱۹)

”حاکموں کو نہ کوسو، کیونکہ اگر وہ نیکی کرتے ہیں تو ان کے لئے اجر ہے اور تمہارے لئے موقع شکر اور اگر وہ برائی کریں تو ان کی گردن پر بوجھ اور تمہارے لئے موقع صبر ہے۔“

احتجاجی سیاست کا یہ رویہ ان احادیث کے بھی سراسر خلاف ہے جن میں ”سمع و طاعت“ کی زیادہ سے زیادہ تاکید کی گئی ہے۔ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قال رسول اللہ ﷺ اسمعوا واطیعوا وان استعمل علیکم عبد حبشی کا رأسۃ زبیبة (۲۰)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سنو اور اطاعت کرو خواہ تم پر کسی ایسے حبشی غلام کو ہی عامل بنا دیا جائے جس کا سر منقہ کی طرح چھوٹا ہو۔“

اس لئے موجودہ سیاست کی اصلاح کے لئے ضروری ہے کہ وہ سیاسی جماعتیں جو منفی کردار کی حامل ہوں، ملک کے اساسی نظریات کی مخالف ہوں، ان کا منشور اور دستور اسلام کے منافی ہو، جو اسلام اور ملک دشمن طاقتوں سے ہدایات اور سرمایہ وصول کرتی ہوں اور لسانی، علاقائی اور فرقہ وارانہ تعصب پھیلاتی ہوں، ان پر پابندی لگائی جائے۔ مثبت سوچ رکھنے والی جماعتوں کے لئے ایسا ضابطہ اخلاق بنایا جائے جس سے سیاسی ہم آہنگی کو فروغ حاصل ہو۔

۳۔ حکومت پر مثبت تنقید اور حکمرانوں کا احتساب:

حکومت کے استحکام میں اختلاف و تنقید کو بڑا دخل ہوتا ہے، مگر شرط یہ ہے کہ وہ فتنہ و فساد کی حد تک نہ پہنچنے پائے کیونکہ ازروئے قرآن یہ قتل سے زیادہ سنگین ہے، یہ اختلاف و احتساب بغاوت نہیں۔ حکومت کی رائے اور پالیسی سے اختلاف کرنا دوسری چیز ہے اور اس کے خلاف مورچہ سنبھالنا الگ چیز، بغاوت اور خروج اس وقت درست ہوتا ہے جب اصلاح احوال کی ساری تدبیریں ناکام ہوچکی ہوں۔

اسلام میں ایسی حزب اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں جو تنقید برائے تنقید اور اختلاف برائے اختلاف کے اصول کے تحت کام کرتی ہوں بلکہ ہر جائز درست اور تعمیری کام میں ارکان شوری (پارلیمنٹ) چاہے وہ اقتدار میں ہوں یا اقتدار سے باہر حکومت کی تائید و حمایت اور ہر ناجائز اور غلط کام میں اس سے اختلاف رکھتے ہیں۔ حزب اقتدار کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اہم ملکی اور بین الاقوامی امور پر عوامی نمائندوں کو اعتماد میں لے، بحث و تمحیص کے ذریعہ ان کا نقطہ نظر معلوم کرے اور مسائل کو ذاتی پسند و ناپسند کے بجائے باہمی مشورے سے حل کرے۔ اصحاب اقتدار کو ان کی غلطیوں پر ٹوکنا اور ان کا احتساب نہ صرف ارکان پارلیمنٹ کا بلکہ عوام کا بھی فرض ہے اور ”امر بالمعروف و نہی عن المنکر“ کے فریضہ کی تکمیل ہے۔ اسلامی تاریخ میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ مملکت کا ایک ادنیٰ فرد بھی حکومتی اور ذاتی معاملات میں خلفاء سے باز پرس کرتا اور ان کی غلطیوں پر ٹوک سکتا تھا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خلافت کی مسند سنبھالتے ہی اپنے پہلے خطبہ میں رعایا کو اپنا احتساب کرنے اور غلطیوں پر نظر رکھنے اور سیدھا کرنے کی ہدایت فرمائی۔ آپ نے فرمایا:

”ایہا الناس فانی قدولیت علیکم و لست بخیر کم فان احسنت فاعینو وان اسات ففو موانی“ (۱۲)

”لوگو! مجھے تم پر حکمران مقرر کیا گیا ہے، حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں، اگر میں اچھائی کی راہ پر چلوں تو میری مدد کرنا اور اگر برائی کی راہ پر چلوں تو مجھے پکڑ کر سیدھا کردینا۔“

حضرت عمرؓ کا قول ہے:

”خدا اس شخص پر رحم کرے جو میرے عیوب پر مجھے مطلع کرتا ہے۔“ (۲۲)

گویا حاکم وقت کو متنبہ کرنا اور اس کے کردار پر نظر رکھنا اور اس کی کمی و کوتاہی پر اس کو بتانا اور اختیارات کے ناجائز استعمال پر گرفت کرنا بھی ضروری ہے۔

۴۔ کرپشن کی انتہا اور اداروں کی تباہی:

کرپشن اس وقت ملک کیلئے ایک اہم مسئلہ بن چکی ہے خصوصاً سیاستدان اس میں زیادہ ملوث ہیں۔ اس وقت غیر قانونی طور پر 500 ارب ڈالر (تقریباً 43000 ارب روپے پاکستانی) کے اثاثہ جات مختلف غیر ملکی بنکوں مثلاً سوئس بنکوں، امریکہ، برطانیہ، ملائیشیا، کینیڈا، جرمنی، فرانس، سپین، اور متحدہ عرب امارات میں پڑے ہیں۔ اس کے علاوہ ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل رپورٹ 2010ء کے مطابق سالانہ تقریباً 1000 ارب روپے کی کرپشن پاکستان میں ہوتی ہے۔ اور پچھلے تین سالوں میں 3000 ارب روپے کرپشن کی جاچکی ہے۔ ملک میں تقریباً ہر معاملے میں کرپشن کا سہارا لیا جاتا ہے۔

حکومت کے ہر شعبے اور زندگی کے ہر میدان میں کرپشن اور بدعنوانی میں بے تحاشا اضافہ ہو رہا ہے۔ ورلڈ بینک اور ٹرانسپرنسی انٹرنیشنل کی رپورٹوں کے مطابق کرپشن میں ان چار برسوں میں ہوش ربا اضافہ ہوا ہے۔ احتساب کا نظام ناپید اور احتساب کے قانون کا پرانا مسودہ چار سال سے قومی اسمبلی میں پھنسا ہوا ہے اور اب حکومت ایک نیا احتساب بل پیش کرنا چاہ رہی ہے اور وہ صرف اس لئے کہ حکومت اسے کرپشن کے تحفظ کا قانون بنانے پر تلی ہوئی ہے۔ سروسز میں تقریروں، تبادلوں اور ترقیوں میں میرٹ کا خون کیا جا رہا ہے اور سپریم کورٹ کے فیصلوں اور تادیبی اقدام کی سفارش کے باوجود کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی ہے۔ ہر سطح پر سیاسی بنیادوں پر تقرریاں کی جا رہی ہیں اور قومی ملکیت میں اہم ترین ادارے

بشمول اسٹیل مل، پی آئی اے، واپڈا، ریلوے، نیشنل انشورنس کارپوریشن اور ٹریڈنگ کارپوریشن، خزانے پر بوجھ بن گئے ہیں اور ۴۰۰ ارب روپے عوام کے منہ سے چھین کر ان سفید ہاتھیوں کی نذر کئے گئے ہیں۔ پبلک سیکٹر ارباب اقتدار کی سیاسی مداخلت، اقربا پروری اور دل پسند نااہل افراد کی تقرریوں کی وجہ سے تباہ ہو چکا ہے۔

## ۵۔ گڈگورننس کا فقدان:

گورننس ایک اور ایسا شعبہ ہے جسے فوری توجہ کی ضرورت ہے۔ اچھی حکمرانی کے ذمے دار ادارے اطمینان بخش کارکردگی نہیں دکھا رہے۔ حکمرانی کا جو ہر یہ نکتہ نظر ہے کہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ ایک فرد جرم کرے اور سزا سے بچ جائے۔ بدقسمتی سے قانون نافذ کرنے والے اداروں میں افراط و تفریط کی وجہ سے ہمارے معاشرے میں اس قسم کے نکتہ نظر حقیقت کا روپ نہیں دھار سکے۔ سیاسی حوالے سے ملازمت حاصل کرنے والے اپنی تعیناتی کرنے والوں کی طرف دیکھتے ہیں کیونکہ وہ انہی کی خوشنودی کے لئے کام کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ نااہلی اور کرپشن نے قانون نافذ کرنے والے اکثر اداروں کو انصاف اور قانون کے اصولوں کے مطابق کام کرنے کے قابل ہی نہ چھوڑا۔ اعلیٰ عدلیہ کی تعریف صرف اسی صورت کی جاتی ہے جب فیصلے حق میں ہوں لیکن جب فیصلہ خلاف آئے تو الزام عدلیہ پر لگا دیا جاتا ہے۔ اس فعل کا مقصد قانون کی خلاف ورزی کرنے کی اہلیت کو طاقت سے برقرار رکھنا ہے۔

۱۔ اچھی حکمرانی کی خوبی یہ ہے کہ احتساب، فیصلہ سازی کے عمل اور تمام فیصلوں میں شفافیت، موثر سیاسی نظام، سماجی و سیاسی تبدیلی میں رد عمل کی قوت، قومی سیاست میں حقیقی شراکت، قانون کی حکمرانی اور ترقی کا وژن شامل ہو مگر بدقسمتی سے ان تمام حوالوں سے حکومت کی کارکردگی اوسط سے بھی پست رہی ہے۔

۲۔ اچھی حکمرانی کے تشکیلی عناصر صرف اسی صورت میں پیدا ہوسکتے ہیں جب ملک میں ایک مضبوط ادارہ جاتی فریم ورک ہو جس میں اچھے نمائندے اور حقیقی جمہوری ادارے، آزاد عدلیہ، متحرک سول سوسائٹی اور آزاد میڈیا شامل ہو۔ تاہم گورننس کے یہ بنیادی عناصر ایک نظام کے طور پر موثر طریقے سے کام نہیں کر رہے۔ مانیٹرنگ، تفتیش اور اچھی حکمرانی سے منسلک دیگر ادارے طاقتوروں کے اثرورسوخ اور کرپشن سے بھرے پڑے ہیں۔

۳۔ ریاست، فوج اور بیوروکریسی وغیرہ سمیت ہمارے ڈھانچے ہماری مخصوص ضروریات کے تقاضے پورے نہیں کرتے کیونکہ یہ 1947ء میں برطانوی راج سے ہمیں ورثے میں ملے تھے۔ اس نقص کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ نوآبادیاتی نظام استحصالی حکمران طبقے کے لئے موزوں ہے۔

۴۔ ایک متحرک سول سوسائٹی احتساب کو یقینی بناتی ہے، آبادی کے مابین آگاہی پیدا کرتی ہے اور اچھی حکمرانی دلانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ سول سوسائٹی بحرانوں کے دوران اپنا دلیرانہ کردار ادا کرتی رہی ہے۔ اس نے بہت سے گرانقدر اہداف بھی حاصل کئے ہیں۔ تاہم ہر کامیابی کے بعد متعلقہ ریاستی اور غیر ریاستی ادارے تسلسل برقرار رکھنے، کامیابیوں کو مستحکم کرنے اور انہیں اچھی حکمرانی کا روپ دینے میں ناکام رہتے ہیں۔

۵۔ پاکستان میں میڈیا نے عوام میں آگاہی پیدا کر کے بہت اچھا کام کیا ہے لیکن قومی اور بین الاقوامی سطح پر اس کی رسائی بہت محدود ہے۔ ملک میں قومی میڈیا کی تیز رفتار افزائش کسی منصوبہ بندی اور ریگولیشن کے بغیر ہوئی۔

۶۔ میڈیا اچھی حکمرانی کے بارے میں باخبر سوچ پیدا کرنے کے قابل نہیں رہا۔ ریاست کے دیگر ستونوں کے ساتھ ہم آہنگی کے حوالے سے اس میں پختگی کا فقدان ہے۔

۷۔ میڈیا ملک میں بڑے بڑے مسائل پر اتفاق رائے پیدا کرنے کیلئے کم از کم مشترک ایجنڈے کو ترجیح دینے میں بھی اپنا موثر کردار ادا کرنے میں ناکام رہا ہے۔ اندورن و بیرون ملک کے متعصبانہ اثرورسوخ نے ہماری ریاست اور نجی میڈیا میں گھر کر لیا ہے۔

۸۔ ایک ایسے مضبوط ریگولیٹر کی ضرورت ہے جو ہمارے میڈیا کو سنسنی خیزی کی موجودہ صورتحال سے قومی پالیسی سازی کے عمل میں حصہ لینے والا بناسکے اور اچھی حکمرانی کی پالیسیوں کے لئے احترام کا ماحول تخلیق کیا جاسکے۔

۸۔ اگرچہ اعلیٰ ترین سطح پر آزاد عدلیہ احتساب اور اچھی حکمرانی کو یقینی بنانے کے لئے اپنا بھرپور کردار ادا کر رہی ہے تاہم عدالت عظمیٰ کے فیصلوں پر عمل درآمد نہ ہونا، عملاً اس ادارے کو کمزور کر رہا ہے۔ حکمران جماعت عدلیہ کے ساتھ اپوزیشن سیاسی جماعت جیسا رویہ اختیار کئے ہوئے ہے۔

۹۔ نئے نئے حاصل ہونے والے جوڈیشل ایکٹوازم کو ایسے مقدمات تک محدود کر دیا گیا ہے جن کا پس منظر سیاسی ہے۔ زیریں عدالتوں میں اب بھی کرپشن عروج پر ہے اور یہ نااہل ثابت ہو رہی ہیں۔ عام آدمی کو عدالتوں سے ریلیف نہیں مل رہا۔

۱۰۔ ناقص حکمرانی کی وجوہات میں کرپشن ایک اہم وجہ ہے۔ کرپشن کے انسداد سے سے وابستہ اداروں میں بھی کرپشن زوروں پر ہے۔ (۲۳)

مقامی حکومتوں کے لئے متحرک پالیسی کی ضرورت ہے تاکہ نچلی سطح پر کمیونٹی کی بنیاد پر جمہوری اداروں کے استحکام پر توجہ دی جاسکے۔ یہ بدقسمتی ہے کہ روایتی جمہوری حکومتوں نے مقامی حکومتوں کی سطح پر باقاعدگی سے انتخابات کے انعقاد کی ذمہ داری پوری نہیں کی۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ لوکل باڈیز کے نظام نے فوجی حکمرانوں کے دور میں خوب ترقی کی۔ گورننس کے مسئلے کو بھی آئین کے تناظر میں دیکھا جانا چاہیے۔ آئین میں دیئے گئے اصولوں کے مطابق اچھی حکمرانی لانے کے لئے دانشور طبقے کو میڈیا کے ذریعے آواز بلند کرنی چاہیے، عوام کو تعلیم دینی چاہیے اور آئین کی بالادستی کے اس کی روح کے مطابق قیام کے لئے مہم شروع کرنی چاہیے۔

۶۔ جمہوری روایات سے انحراف:

دستور میں اٹھاریوں اور انیسویں ترامیم کے باوجود حالات میں کوئی قابل ذکر بہتری رونما نہیں ہو رہی۔ زرداری صاحب عملاً اسی طرح حکومت کے چیف ایگزیکٹو کا کردار ادا کرتے رہے ہیں جس طرح پرویز مشرف کر رہا تھا اور آج بھی ایوان صدر اقتدار کا سرچشمہ اور سازشوں کا گہوارہ بنا ہوا ہے۔ اقتدار سنبھالتے ہی واضح اعلان کے باوجود فاٹا کے حقوق اور وہاں کے عوام کو فرنٹیر کرائمز ریگولیشن کے سامراجی قانون سے نجات، اس علاقے میں دستور کے دیے ہوئے حقوق دینے اور نظام عدل کے اجرا کے

بجائے حال ہی میں صدارتی ریگولیشن کے ذریعے مالاکنڈ ڈویژن میں ڈی سی او کو اور فاٹا میں پولیٹیکل ایجنٹ کو پھانسی کی سزا دینے کے اختیارات تفویض کردیے گئے ہیں۔ یہ انصاف کے خون کے مترادف ہے۔

۷۔ حکومت اور عوام میں رشتہ محبت و یگانگت:

سیاسی ہم آہنگی اور استحکام کے لئے ضروری ہے کہ حکومت اور عوام کے حاکم اور محکوم کا نہیں، محبت اور یگانگت کا رشتہ قائم ہو اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب دونوں کو اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کا مکمل شعور ہو۔ حکمرانوں کو احساس ہو کہ حکومت اور اقتدار ایک امانت ہے یہ دوسروں کو غلام بنانے اور ان پر حکم چلانے کے لئے نہیں بلکہ یہ مسئولیت اور ذمہ داری کا بہت بڑا بوجھ ہے۔ جس کی طرف آنحضرت ﷺ نے متوجہ فرمایا ہے

ما من عبد یسترعہ اللہ رعة فلم یحطبہا بنصیحة الا لم یجد رائحة الجنة (۲۴)

’جس شخص کو اللہ رعیت کا حاکم بناتا ہے لیکن وہ رعیت کی خیر خواہی نہیں کرتا تو وہ شخص جنت کی خوش بو نہیں پائے گا۔‘ ایک اور جگہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مامن امام یغلق بابہدون ذوی الحاجة والخلة والمسکنة الا غلق اللہ ابواب السماء دون خلة وحاجته ومسکنتہ (۲۵)

’جو بادشاہ (حکمران) حاجت مندوں، محتاجوں اور مسکینوں سے اپنا دروازہ بند کر لیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت، حاجت اور مسکنت کے وقت آسمان کا دروازہ بند کر دے گا۔‘

جہاں حکمران رعایا کے متعلق اللہ تعالیٰ کے ہاں جوابدہ ہیں اسی طرح رعایا کو بھی حکمرانوں کی سمع و طاعت کی ہدایت فرمائی ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے حکمرانوں اور رعایا کے درمیان موجود رشتے کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

خيار ائمتکم الذین تحبونہم ویحبونکم وتصلون علیہم ویصلون علیکم وشرار ائمتکم الذین تبغضونہم ویبغضونکم وتلعنونہم ویلعنونکم (۶۲)

’تمہارے بہترین امیر (حکمران) وہ ہیں جن سے تم محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت کرتے ہیں اور تم ان کے حق میں دعائیں کرتے ہو اور وہ تمہارے لیے دعائیں کرتے ہیں اور تمہارے بدترین امیر (حکمران) وہ ہیں جن سے تم دشمنی کرتے ہو اور وہ تم سے دشمنی کرتے ہیں اور تم ان پر لعنت کرتے ہو اور وہ تم پر لعنت کرتے ہیں‘

یہ باہمی رشتہ محبت اسی صورت میں مستحکم ہو سکتا ہے جب حکومت اور رعایا میں خلیج حائل نہ ہو، ایک عام آدمی کی رسائی بڑی آسانی سے حاکم تک ہو سکتی ہو۔

آنحضرت ﷺ کو ایک مخبوط الحواس عورت نے اپنے کسی کام کے بارے میں کہا تو آپ ﷺ نے فرمایا :

عن انسٍ ان امرأة کان فی عقلها شیء فقالت یا رسول اللہ ﷺ ان لی الیک حاجة فقال (یا ام فلاں انظری) ای (سک) شئت حتی اقصی لک حاجتک فخلا) معها فی بعض الطرق حتی فرعت من حاجتها. (۲۷)

’حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک عورت کی عقل میں فتور تھا اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے آپ سے کام ہے (یعنی کچھ کہنا ہے جو لوگوں کے سامنے نہیں کہہ سکتی) آپ ﷺ نے فرمایا اے ماں فلاں

کی (یعنی اس کا نام لیا) اچھا تو کوئی گلی دیکھ لے میں تیرا کام کر دوں گا، پھر آپ ﷺ نے راہ میں اس سے تنہائی کی یہاں تک کہ وہ اپنے کام سے فارغ ہو گئی (یعنی جو بات کہنی تھی وہ کہ لی)۔

اس حدیث میں بھی اس بات کی وضاحت ہے کہ حاکم کو رعایا کی ہر بات کا خیال رکھنا چاہیے جو کوئی حاکم سے بات کرنا چاہیے حاکم کو اسے وقت دینا چاہیے، یہ بھی ضروری ہے کہ حکمران ذاتی مفادات سے بالاتر ہو کر اور اقرباء پروری سے اجتناب کرتے ہوئے عوام کی خدمت کریں اور اپنے اختیارات سے ناجائز فائدہ نہ اٹھائیں، ان کا رہن سہن، طرز معیشت اور معیار زندگی عوام سے بلند نہ ہو۔

۸۔ مخبری اور جاسوسی کا انتظام:

دشمن کے جنگی منصوبوں، ہتھیاروں اور جنگی صلاحیتوں سے بھی باخبر رہنا ضروری ہے تاکہ اس کا موثر توڑ اور دفاع ممکن ہو سکے اس کے لئے مخبری اور جاسوسی کا موثر انتظام کیا جائے۔ آپ ﷺ کی سیرت طیبہ سے اس اہم شعبہ کی تنظیم کا ثبوت ملتا ہے۔ آپ ﷺ نے بہت سے لوگوں کو اس کام کے لئے مقرر فرمایا بعض اوقات آپ ﷺ ایک ایک مہم کے لئے متعدد جاسوسوں کو روانہ فرماتے تھے۔ مخبری اور جاسوسی کے لئے ایک مستقل مجلس کا تقرر بھی آپ ﷺ نے فرمایا تھا جس کا کام یہ تھا کہ مخالفین ریاست کی دشمنانہ سرگرمیوں کی اطلاع بہم پہنچائے (۲۸)۔

آج کے جدید سائنسی دور میں دیگر شعبوں کی طرح جاسوسی کا نظام بھی جدید سائنسی بنیادوں پر ترقی یافتہ اور سعوت پذیر ہو چکا ہے۔ آج ترقی یافتہ ممالک سیٹلائٹ اور مصنوعی سیاروں کے ذریعہ مختلف ممالک کی خفیہ سرگرمیوں پر کڑی نگاہ رکھے ہوئے ہیں اور ان کے دفاعی اور جنگی رازوں سے مطلع ہو رہے ہیں۔ اس میدان میں ترقی کر کے ہی ہم دشمن کے عزائم کو ناکام بنا سکتے ہیں۔

انسداد دہشت گردی

دہشت گردی کی جنگ میں پاکستان امریکہ کا اتحادی ملک ہے۔ دس سالوں میں اسے تقریباً 70 ارب ڈالر (تقریباً 6020 ارب روپے پاکستانی) کا مالی نقصان اٹھانا پڑا، 30 ہزار معصوم لوگوں کی ہلاکت اور 5 ہزار فوجی جوانوں کی شہادت کا جانی نقصان بھی دہشت گردی کی وجہ سے ہوا جبکہ امریکہ کی طرف سے صرف 14 ارب ڈالر دیئے گئے ہزاروں بم دھماکے و خودکش حملے، 700 ڈرون حملے اسی وجہ سے ہوئے۔

دہشت گردی موجودہ زمانے کا سب سے بڑا مسئلہ ہے، لیکن یہ کسی خاص ملک یا قوم کا مسئلہ نہیں ہے مگر جس انداز سے اس مسئلے کو دنیا کے سامنے رکھا جا رہا ہے اُس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کچھ طاقتیں دہشت گردی کی آڑ میں ہی پھل پھول رہی ہیں اسی لیے وہ لوگ جو دہشت گردی کو سب سے زیادہ بڑھا چڑھا کر پیش کر رہے ہیں وہی لوگ اس کو در پردہ زندہ بھی رکھنا چاہتے ہیں تاکہ اُن کی دکانیں چلتی رہیں۔ اگر عالمی سطح پر اُن کوششوں کا جائزہ لیں جو اس کے انسداد کے حوالے سے کی جا رہی ہیں تو اندازہ ہوگا کہ مسئلہ تو اپنی جگہ پر ہے مگر اسے ختم کرنے اور جڑ سے مٹانے کی جو کوششیں ہو رہی ہیں، وہ خود ایک نئے مسئلے کو جنم دے رہی ہیں۔

آج دہشت کے نام پر ایک مختلف انداز کی دہشت گردی ہو رہی ہے۔ اس میں ممالک کے علاوہ عالمی میڈیا بھی شامل ہے۔ دہشت گردی کا جو مفہوم عالمی بالخصوص مغربی میڈیا نے عوامی سطح پر عام کیا ہے وہ سراسر غلط اور تعصب پر مبنی ہے تعصب اس لیے کہ اس لفظ کے اندر بھرے زہر اور نفرت کے حوالے سے مسلمانوں کو نشانہ بنا یا جا رہا ہے اسی لیے اس لفظ کا مفہوم اور اس کی تعبیر و تشریح بھی اس انداز سے کی



جاری ہے تاکہ مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنے کا ہدف حاصل کیا جا سکے۔ حالانکہ مسلمان بھی یہ مانتے ہیں کہ دہشت گردی کسی بھی طرح روا نہیں ہے اور اپنے حقوق حاصل کرنے کے لیے بھی دہشت گردی کو کسی طرح جائز نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ دنیا کے تمام مسلمان اس معاملے میں یک زبان اور ہم خیال ہیں۔ اس لیے کہنا تو یہ چاہیے کہ دہشت گردی کا کوئی مذہب نہیں ہے اور دہشت کرنے والا کوئی بھی شخص کسی مذہب کا سچا پیرو کار بھی نہیں ہو سکتا۔ مسلمانوں نے ہر طرح سے اس کی مخالفت کی ہے باوجود اس کے ابھی تک عالمی میڈیا یہ مانتے کو تیار نہیں کہ مسلمان دہشت گرد نہیں ہیں اور اسلام دہشت گردی کو ہوا نہیں دیتا۔ نتیجہ یہ ہے کہ عالمی میڈیا کے اس رویے سے وہ لوگ بھی جو دہشت گردی کے خاتمے کی کوششوں میں مصروف ہیں اب بد ظن ہو کر کنارہ کش ہو رہے ہیں۔ اس لیے ضرورت اس کی ہے کہ دہشت گردی کی تعبیر و تشریح چاہے جس انداز سے کریں، اس میں مذہب اور کسی قوم کو نشانہ بنانا سراسر غلط ہوگا۔

امریکا کی بڑھتی ہوئی گرفت:

امریکا کی پالیسیوں کی اطاعت نے جو محکومی کی شکل اختیار کی چکی تھی، اس کے نتیجے میں صاف نظر آ رہا ہے کہ افغانستان میں امریکی جنگ کی معاونت ہو یا ان کے مطالبے پر پاکستان میں اپنے ہی شہریوں کے خلاف فوج کشی، ملک میں امریکا اور اس کی ایجنسیوں کی کارگزاریوں یا معاشی امور اور پالیسی پر اس کی گرفت اتنی بڑھ گئی ہے اور اس کے نتیجے میں اس حکومت کی پالیسیوں اور امریکا کی فرما برداریوں نے جو شکل اختیار کر لی ہے اس نے ملک کو ایک طفیلی ریاست بنادیا ہے اور امریکا کی فرما برداریوں نے جو شکل اختیار کر لی ہے اس نے ملک کو ایک طفیلی ریاست بنا دیا ہے اور امریکا کے مطالبات ہیں کہ کم ہونے کو نہیں آتے۔ ڈرون حملوں میں گذشتہ تین برسوں میں کئی گنا اضافہ ہو گیا۔ جس کے نتیجے میں ہزاروں بے گناہ افراد ہلاک اور زخمی ہو چکے تھے۔ اس سلسلے میں ملک کی سیاسی اور عسکری قیادت کی مجرمانہ غفلت نے ایسے حالات تک پیدا کر دیے تھے کہ امریکی اور نیٹو کے فوجی بھی بار بار پاکستان کی سرزمین پر کھلے بندوں فوجی آپریشن کر رہے ہیں اور پاکستان کی حاکمیت اور خود مختاری کو دیدہ دلیری کے ساتھ پامال کر رہے ہیں۔ نیز ٹریننگ کے نام پر امریکا کے اثرات فوج اور دوسرے قانون نافذ کرنے والے اداروں پر بڑھتے جا رہے ہیں اور اس سب کے باوجود امریکی تھنک ٹینکس، میڈیا اور پارلیمانی کمیٹیوں کے ارکان کھل کر پاکستان کی حکومت فوج اور اس کے اداروں پر دوغلی پالیسی اور دھوکا دہی کے بہتان لگاتے رہے ہیں اور پاکستان کے امیج کو داغدار کرنے اور اجارہ داری کے لئے بلیک میل کرتے رہے ہیں۔ ڈرون حملے کچھ عرصہ بند رہنے کے بعد پھر شروع ہو گئے ہیں۔

ملک و قوم کی آزادی اور عزت کی حفاظت میں حکومت کی اس ناکامی سے عوام میں بددلی، غصہ اور امریکا اور حکومت دونوں کے خلاف نفرت کے جذبات میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ اس صورت حال کا مزید جاری رہنا ملک کے مستقبل کے لئے نہایت خطرناک ہے۔

ناکام معاشی پالیسی:

معاشی اعتبار سے گذشتہ چار برسوں میں ملک میں جو بگاڑ رونما ہوا ہے اس نے ماضی کے سارے ریکارڈ توڑ دیے ہیں۔ معاشی پالیسی سازی امریکا اور عالمی داروں کی گرفت میں رہی ہے۔ یہ حکومت چار سال میں چار وزیر خزانہ، چار وزارت خزانہ کے سیکرٹری اور اسٹیٹ بینک کے تین گورنر لگا چکی ہے۔ لیکن آج تک کوئی مربوط معاشی پالیسی وجود میں نہیں آسکی۔ قرضوں کا بار ناقابل برداشت ہو گیا ہے اور آج

پاکستان میں اندرونی اور بیرونی قرضوں کا حکم ۲۱۰ کھرب روپے سے متجاوز ہو گیا اور صرف سالانہ سود اور ادائیگی قرضی کے لئے ۹ ارب روپے سے بھی زیادہ ادا کرنے پڑ رہے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ آج غریب عوام کے منہ سے روتی کا نوالہ چھین کر ساہوکاروں کو دیا جا رہا ہے اور ان قرضوں کو ادائیگی کے لئے نئے قرض لینے پڑ رہے ہیں جس کی بھاری قیمت موجود اور آئندہ نسلوں کو ادا کرنا ہوگی۔

مہنگائی آسمان سے باتیں کر رہی ہے۔ بے روزگاری بے تحاشا بڑھ رہی ہے۔ غربت میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے اور بھوک اور افلاس کی وجہ سے اموات اور گھر کے کئی افراد کی خود کشی کی نوبت آگئی ہے جس کی ہماری تاریخ میں کوئی مثال نہیں۔ خود فیڈرل بورڈ آف ریونیو (FBR) کے سربراہ نے کچھ عرصہ پہلے واضح اعتراف کیا تھا کہ ملکی معیشت دیوالیہ ہونے کے خطرے سے دوچار ہے اور مطالبہ کیا گیا کہ حکومت کے قرض لینے پر فوری پابندی لگائی جائے۔ سپریم کورٹ نے اربوں روپے کے قرضے مختلف بینکوں کی طرف سے معاف کرنے کے از خود نوٹس لینے کے مقدمے کی سماعت کے دوران میں سٹیٹ بینک کے وکیل نے بتایا تھا کہ ۱۷۹۱ء سے لے کر دسمبر ۲۰۰۹ء تک ۵۰ ہزار سے زائد افراد کے ۲۵۶ ارب روپے کے قرضے معاف کرائے گئے اور گذشتہ دو برسوں کے دوران ۵۰ ارب روپے کے قرضے نجی بینکوں نے معاف کیے ہیں۔ چیف جسٹس نے ریمارکس دیے تھے کہ نجی بینک کیسے قرض معاف کرسکتے ہیں۔ ہم دیکھیں گے کہ آیا من مانے طریقے سے تو قرضے معاف نہیں کیے گئے ہیں۔ فاضل عدالت نے غیر قانونی طور پر معاف کیے گئے قرضوں کی رقوم وصول کرنے کے عزم کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے کہ ”قومی دولت کو واپس لانے کے لئے عدالت کسی حد تک بھی جاسکتی ہے“۔ موجودہ عالمی دباؤ کے تناظر میں ضرورت اس امر کی ہے کہ ۷۹۱ ارب ڈالر کی بیرون ملک جمع لوٹی ہوئی دولت اور سیاست دانوں نے سوئٹزرلینڈ، اسپین اور دوسرے بیرون ملک بینکوں میں جمع رقوم کو ملک کے اندر بلاتاخیر لانے کے لئے واضح قانون سازی اور ٹھوس اقدامات کیے جائیں۔

#### خلاصہ بحث

موجودہ حالات میں جب ہم زندگی کے تمام شعبوں میں زوال کا شکار ہو کر اور مسائل کے گرداب میں گھر کر بے شمار خطرات سے دوچار ہیں، ملک و ملت کی کشتی کو منجذبہار سے نکال کر اور تلاطم خیز طوفانوں سے بچا کر سالمیت اور عافیت کے کنارے تک پہنچانا وقت کی اہم اور نازک ترین ذمہ داری ہے، جس کے لئے ملک کے تمام طبقوں، بالخصوص ارباب اقتدار، علماء اور دانشوروں کو آگے بڑھنا ہوگا تاکہ مملکت پاکستان کو ان مسائل سے باہر نکالا جائے ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ مملکت کی بقاء کے ساتھ ہماری بقاء وابستہ ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس ملک کی بقاء کے لیے اپنی ساری کوششیں اور توانائیاں صرف کردیں تاکہ اس ملک میں شریعت اسلامیہ کی بالادستی قائم ہو اور اسے ہر شعبہ حیات میں نافذ کیا جا سکے۔

#### حوالہ جات:

- ۱۔ سورۃ الحشر ۵۹: ۲
- ۲۔ سورۃ النحل ۱۶: ۱۱۲
- ۳۔ سورۃ یونس ۱۰: ۱۴

- ۴۔ امام بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، مترجم محمد داؤد راز، مرکزی جمیعت اہل حدیث ہند ۲۰۰۴ء، کتاب المناقب، باب جاہلیت کی سی باتیں کرنا منع ہے، ج ۵ ص ۳۴، حدیث نمبر ۸۱۵۳
- ۵۔ امام ابو داؤد، سلیمان بن اشعث سجستانی، سنن ابی داؤد، مترجم علامہ وحید الزمان، اسلامی کتب خانہ لاہور، کتاب النوم، باب فی العصبیۃ، ج ۳، ص ۷۶۴، حدیث نمبر ۲۸۶۱
- ۶۔ سورۃ الصف ۶۱: ۴
- ۷۔ امام مسلم، صحیح مسلم، مترجم علامہ وحید الزمان، نعمانی کتب خانہ لاہور، ۲۰۰۴ء، کتاب الامارۃ والقضاء، باب حکم من فرق امر المسلمین وہو مجتمع، ج ۵، ص ۲۴، حدیث نمبر ۶۹۷۴
- ۸۔ سورۃ آل عمران: ۷۵
- ۹۔ سورۃ آل عمران: ۱۵۹
- ۱۰۔ السہیلی، عبدالرحمن بن عبد اللہ، الروض الانف، طبع مصر ۱۳۳۲ھ، ج ۱، ص ۱۹
- ۱۱۔ ابن سعد، محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ، بیروت ۱۹۲۰ء، ج ۱، ص ۲۸
- ۱۲۔ طبری، محمد بن جریر، تاریخ الرسل والملوک (تاریخ طبری)، قاہرہ، ۱۹۶۰ء، ج ۴، ص ۹۴۲
- ۱۳۔ امام احمد بن حنبل، مسند احمد بن حنبل، مترجم مولانا محمد ظفر اقبال، مکتبہ رحمانیہ لاہور، ج ۱، ص ۶
- ۱۴۔ امام بخاری، صحیح بخاری، مترجم محمد داؤد راز، کتاب الاحکام، باب ما یکرہ من الحرص علی الامارۃ، ج ۸، ص ۹۷۳، حدیث نمبر ۹۴۱۷
- ۵۱۔ جعفری، رئیس احمد ”اسلامی جمہوریت“ ثقافت اسلامیہ، لاہور ۸۲۹۱ء، ص ۲۴۱
- ۱۶۔ سورۃ النساء: ۴: ۷۵
- ۱۷۔ امام بخاری، صحیح بخاری، کتاب المغازی، ج ۵، ص ۹۳۵، حدیث نمبر ۴۰۳۴
- ۱۸۔ سورۃ آل عمران: ۳: ۹۵۱
- ۱۹۔ ابن طقطقی، محمد بن علی بن طباطبائی، الفخری فی الاداب السلطانیہ و الدول الاسلامیہ، مترجم جعفر شاہ پهلواروی۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور۔ ۱۹۸۱ء، ص ۸۳
- ۲۰۔ امام بخاری، صحیح بخاری، کتاب الاحکام، باب امام اور بادشاہ اسلام کی بات سننا اور ماننا واجب ہے، ج ۸، ص ۳۷۶، حدیث نمبر ۷۱۴۲
- ۲۱۔ سیوطی، جلال الدین، تاریخ الخلفاء، نور محمد کتب خانہ، کراچی، ص ۹۲
- ۲۲۔ طرطوشی، سراج الملوک، طبع مصر ص ۵۱

- ۲۳۔ خالد اقبال، آج کا پاکستان چینجز اور امکانات، سہ ماہی کرائٹیرین، اسلام آباد، جلد نمبر ۷، شمارہ نمبر ۲، ص ۱۰۱، ۲۰۱
- ۲۴۔ خطیب تبریزی، ولی الدین ابی عبد اللہ محمد بن عبد اللہ، مشکوٰۃ المصابیح، مترجم مولانا محمد صادق خلیل، مکتبہ محمدیہ ساہیوال، ۲۰۰۵ء، باب الامارۃ والقضاء، ج ۳، ص ۵۳۲، حدیث نمبر ۳۶۷۸
- ۲۵۔ امام ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، جامع ترمذی، مترجم علامی بدیع الزماں، ضیاء احسان پبلیشرز لاہور ۱۹۸۸ء، کتاب الاحکام، باب امام رعیت کے بیان میں، ج ۱، ص ۴۸۲
- ۲۶۔ خطیب تبریزی، مشکوٰۃ المصابیح، باب الامارۃ والقضاء، ج ۳، ص ۲۲۹، حدیث نمبر ۳۶۷۰
- ۲۷۔ امام مسلم، صحیح مسلم، مترجم علامہ وحید الزماں، کتاب الفضائل، باب قریہ من الناس وتبرکھم بہ وتواضعہ لهم، ج ۶، ص ۷۳، حدیث نمبر ۶۰۴۴
- ۲۸۔ امام کتانی، سید محمد عبد الحی، نظام الحکومت النبویۃ المعروف التراتیب الاداریہ، دار ارقم بیروت، لبنان ۱۳۴۶ھ، ج ۱، ص ۱۶۳